© rasailojaraid.com

پروفیسر محمد سلیمان دانش

حکیم مشرق کی محفل میں چند لمحات

اس سال شب قدر پر ہم نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا، اپنے آپ کو اچانک ایک وسیع و عریض میدان میں پایا، جہاں لاکھوں انسان کسی حکم کے انتظار میں سر نیوڑھائے چپ چاپ کھڑے تھے۔

اچانک ایک غیبی آواز آئی، لوگو! آج قیامت کا دن ہے، عدالت لگ چکی ہے، آپ سب کو اپنے دنیاوی اعمال کے حساب کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

چند لمحوں بعد فرشتوں کی ایک کثیر تعداد ہر چہار طرف سے نمودار ہوئی اور گروہ در گروہ لوگوں کے سامنے ایک ایک فرشتہ جا کھڑا ہوا۔ عجیب خوف و ہراس کا سماں تھا، لوگوں کی سراسیمگی دیدنی تھی فرشتۂ غیبی کی آواز پھر بلند ہوئی..... اے حاکمو، خانو، چودھریو، مولویو، پیرو اور دانشورو! دو دو قدم آگے آجاؤ، سب لوگوں نے فوراً تعمیل حکم کی تو فرشتے نے خطاب کیا..... اے لوگو! تم نے امت محمدی ﷺ کو خوب ذلیل و رسوا کیا ہے، کہو آج کس برتے پر میدان حشر میں حاضر ہوئے ہو، ان سب کار فرما طبقوں نے یک زبان ہو کر کہا: ہم نے تو مقدور بھر امت محمدی ﷺ کی ترقی و پیشرفت کے لئے زندگی بھر کوشش کی ہے جونہی کہ یہ بات ان کے منہ سے نکلی تو فرشتہ غضبناک ہو گیا اور اس کا سارا جسم اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی آتشیں زنجیروں اور بیڑیوں کی طرح سرخ انگارہ ہو گیا، میری تو مارے خوف کے حالت ہی غیر ہو رہی تھی، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، فرشتے نے خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا: ! آپ کے دنیاوی اعمال تو آپ کو نہ صرف انسانیت بلکہ حیوانیت سے بھی خارج کئے دے رہے تھے، کیونکہ کسی جانور نے آج تک اپنے ہم جنس زندہ جانور کا گوشت نہیں کھایا، لیکن تم نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اپنے ہم جنس بھائیوں کا قطرہ قطرہ خون چوسا ہے سوال یہ ہے کہ دوسروں کے جان و مال اور عزت و ناموس میں خیانت آپ نے کس دلیل پر اپنے لئے جائز کر رکھی تھی۔ کیا محض اس لئے کہ تم ایک مولوی صاحب، پیر صاحب، خان صاحب یا حاکم کہلاتے تھے یا یہ کہ وقت پیدائش کوئی خاص مُہر تمہاری پیشانی پر لگی ہوئی تھی، کیا تمہارا وجود باقیوں سے الگ تھلگ تھا، کیا باقی سب مٹی سے اور تم سونے چاندی سے بنے تھے؟ جب تم ہی کہتے ہو کہ ہم نے امت محمدی ﷺ کی ترقی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش کی ہے تو کیا تمہارا ضمیر تمہیں ملامت نہیں کرتا، تم نے کتنے سکول، کالج یا مکتب آباد کئے؟ کتنے ہسپتال کھولے؟ اپنے ہم وطنوں کے لئے کونسی قربانیاں دیں۔

سوائے اس کے کہ بے عمل ملاؤں اور بد کردار و بے دماغ دانشوروں کے ساتھ مل کر خود شریعت کے سانچوں میں ڈھلنے کی بجائے شریعت کو نئے نئے مغربی سانچوں میں ڈھالتے رہے سوائے اس کے تم نے اور کیا کارنامہ انجام دیا ہے.....؟

فرشتے کی اس غضب ناک اور لمبی تقریر کے اختتام پر ان لوگوں نے بے طرح چیخنا شروع کر دیا، اور رسول مقبول ﷺ کی دہائی دینے لگے، ان خواص کا حساب کتاب جاری تھا کہ ہم عامیوں کو عام معافی کا مژدہ ملا

زیر کی بفروس و حیرانی بنر

زیر کی زبلیس و حیرانی از آدم است

ہم چند دوستوں نے سیر جنت کا پروگرام بنایا سب سے پہلے شارع ابن تیمیہ کا رخ کیا پھر شارع افغانی سے ہوتے ہوئے خیابان رومی پر جا نکلے، وہیں سے معلوم ہوا کہ علامہ اقبال کے ہاں مسلم زعماء کی دعوت ہے سب لوگ وہاں جمع ہیں۔ موقع کو غنیمت جان کر خضر راہ کے ہمراہ ہم لوگ جاوید منزل جا پہنچے، وہاں کا نظارہ ہی کچھ اور تھا۔ کہیں صبح کہیں شام کا سماں اور کہیں بہار اور کہیں خزاں کا منظر! گرمی کے ساتھ سردی ہم آغوش تھی، اسی لئے ہر رنگ اور ہر موسم کے پھل وہاں کے ہر باسی کے لئے کام و دہن کی آزمائش بنے ہوئے تھے۔

اندر اقبال ہال میں ایک محفل مذاکرہ منعقد ہو رہی تھی، موضوع تھا "امت محمدی کے زوال و اسباب" ہر دور اور ہر ملک کے مسلم مفکرین اور مصلحین جمع تھے۔ ہم تو چند ایک کو پہچان سکے، علامہ اقبال صدارت فرما رہے تھے۔

بیشتر لوگ ہمارے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کر چکے تھے، جنہیں نہ سن سکنے کا بڑا قلق ہوا، اتنے میں امام ابن تیمیہ کا نام پکارا گیا، آپ نے عالمانہ شان اور مجاہدانہ انداز سے عربی میں داد خطابت دی۔ عربی زبان سے ہماری ناواقفی یہاں بھی ہمارے آڑے آئی، اور کچھ پلے نہ پڑا، البتہ عربی داں حضرات کو سراپا داد دیتے ہوئے دیکھا، ایک شناسا نے استفسار پر بتایا کہ امام صاحب کے خیال میں امت مرحوم بدعات و موہومات میں کھو کر فتنوں کا شکار ہوئی، اس سے بحیثیت مجموعی امت کے ذوقِ تحقیق و تجسس کو سخت دھچکا لگا اور نتیجۃً اس کی زندگی کے سوتے خشک ہو گئے۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی

یہ امت روایات میں کھو گئی

امام عالی مقام کے بعد مولانا جلال الدین رومی عصا تھامے رونق افزائے منبر ہوئے، علامہ اقبال نے بڑھ کر ہاتھ چومے تو تمام اہل محفل پر رقت طاری ہو گئی، آپ نے ایک طویل مثنوی کے ذریعہ موضوع زیر بحث پر اپنے خیالات پیش کئے ساری تقریر کا خلاصہ خود ہی آخر میں ایک شعر میں یوں پیش کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر ہلاک امت بیشنیں کہ بود
زانکہ برصندل گمان بُر عود

کئی اور مقررین کے بعد آخری مقرر سید جمال الدین افغانی کا نام پکارا گیا، آپ نے وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے چند جملوں میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔

اسلام کی ذلت اور بدبختی کی تمام تر ذمہ داری علماء سوا اور ظالم حکمرانوں پر عائد ہوتی ہے ان دو طبقوں نے دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا، اور اسلام سے کوسوں دور جا پڑے، بجائے اس کے کہ دین کو عقل و منطق کا لباس پہنائیں عقل و منطق سے مطالبہ کرتے رہے کہ وہ ان کے خود ساختہ دین کے ساتھ مطابقت کرے، اسی لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے، اگر یہ لوگ قرآن کو بِنائے اتحاد بنا کر اتحاد عالم اسلام کے لئے سعی وجہد کرتے تو امت مسلمہ اس انجام بد سے دوچار ہرگز نہ ہوتی۔

سید افغانی نے صورت حال کا جس صدق و سوز کے ساتھ تجزیہ کیا، اس سے سب ہی متاثر نظر آئے۔

اس کے بعد علامہ اقبال نے مائک سنبھالا سب لوگ سراپا ہوش اور ہمہ تن گوش ہوگئے آپ نے مختلف مفکرین و مصلحین کے خیالات اور ان کے اخذ کردہ نتائج کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے فرمایا:۔

اگر ہم قوموں اور ملتوں کے عروج و زوال کے اسباب پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جس قوم نے بھی بلا روک ٹوک غور و فکر سے کام لیا اور اپنے لئے ایک مستقل نظریۂ حیات اختیار کیا وہی قوم زندگی کے میدان میں سیادت و راہنمائی کے منصب پر فائز ہوئی۔ نظریئے کی مالک قوم خوفناک حوادث سے ہمیشہ محفوظ رہی، اس کے برعکس جس قوم کی فکر خرافات و موہومات کی زنجیروں میں جکڑی رہی جو عقل و شعور پر لعنت بھیجتی رہی اور بے سروپا بلکہ پادر ہوا باتوں پر کان دھرتی رہی اور ہر نادان سبکسر کی باتوں کو وحی منزل یا فرمودۂ نبی مرسل کا درجہ دیتی رہی، ایسی قوم عرصۂ حیات میں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکی اگر کچھ دیر زندہ رہی بھی تو تنگی و فلاکت اور غربت نکبت اس کا مقدر رہی، ایسی قوم کے نوجوان ساری قوموں کی نظروں میں خوار و زبوں بلکہ اپنے ہی ہم وطنوں کے نزدیک ملوم و مطعون رہے، یہ نوجوان سوائے خواب و خور کے اور کچھ نہیں جانتے تھے اور سوائے حسرت و تاسف کے ان کے پاس اور کوئی ذخیرہ نہ تھا۔

جو قوم کوئی نظریہ لے کر اٹھی ہو، وہی دریاؤں کے دل دہلاتی اور اپنی ٹھوکروں سے صحراؤں کے جگر چاک کرتی رہی، فطرت کے مقاصد کی نگہبانی ایسی ہی قوم کے سپرد رہی، جو قوم حریت فکر کے جوہر سے محروم ہو وہ سونے چاندی کے ذخائر پر سے گزرتی رہتی ہے، درآنحالیکہ وہ قوت لایموت کو ترس رہی ہوتی ہے۔

جو قومیں شرافت و بزرگی کی بلندیوں تک نہ پہنچیں انہوں نے صحیح تنقید کو ہمیشہ اپنی خوش بختی اور خوشحالی کے لئے ایک مؤثر عمل جانا اور ہمدردانہ تنقید سننے کے لئے ہمیشہ اپنے کانوں کو کھلا رکھا۔

البتہ جن قوموں سے [illegible] بدبختی اور ذلت مقدر ہو چکی تھی وہ [illegible] صحیح تنقید کو سننے کی صلاحیت ہی سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محروم رہیں بلکہ انہوں نے تنقید کو از قسم ٹھٹھا اور مخول جانا اور اپنے اصلی خیر خواہوں کو جو اپنا قیمتی وقت اور صلاحیتیں اہلِ وطن کی رہنمائی اور بھلائی میں صرف کرتے رہے، اپنا سب سے بڑا دشمن خیال کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قومیں اپنی جہالت پر قائم رہیں، اس لئے کہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ جب تک آدمی اپنی کوتاہیوں سے باخبر نہ ہو، اپنی اصلاح پر آمادہ ہو ہی نہیں سکتا۔

حریت فکر کے فقدان کے ساتھ ساتھ علامہ اقبال نے مغربی تصور قومیت کو ملت اسلامیہ کے لئے سم قاتل قرار دیا، علامہ کے نزدیک وطنی قومیت نے مسلمانوں کی سیاسی قوت اور تہذیبی برتری کو ایک ہی وار سے فنا کے گھاٹ اتار دیا، انہی کی زبان سے سنئیے:۔

اس وقت قوم و وطن کے تصور نے مسلمانوں کی نگاہوں کو نسل اور خون کے امتیازات میں الجھا رکھا اور اس طرح اسلام انسانیت کے میدان سے عملاً خارج رہا۔ یہ نسلی احساسات ترقی کرتے کرتے ان اصول و قواعد کے محرک ہوئے جو تعلیمات اسلامی کے بالکل مخالف ہی نہیں بلکہ ان سے بالکل متضاد تھے۔

میں نے مسلمانوں کو بہت سمجھایا کہ تصور قومیت محض ایک نظری مسئلہ نہیں بلکہ ایک زندہ اور عملی سوال ہے جس سے بطور ایک دستور حیات اور نظام عمل کے اسلام کی ساری کائنات متاثر ہو گی، میرے نزدیک اسلام پر ابتلاء و آزمائش کا کبھی ایسا سخت وقت نہ آیا تھا، جیسا کہ اس ملحدانہ مادیت پر مبنی فلسفہ کو اپنانے سے آیا۔ ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام سے سیکھا اور مسلمانوں کو اپنی نظم اور نثر کے ذریعہ سکھانے کی بھر پور کوشش کی وہ یہ تھا کہ آڑے وقتوں میں اسلام ہی نے مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا، مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت نہیں کی۔ اگر مسلمان اپنی نگاہیں بیسویں صدی میں پھر اسلام پر جما دیتے اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوتے تو ان کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سر نو جمع ہو جاتیں، اور ان کا وجود ہلاکت و بربادی سے محفوظ ہو جاتا۔ قرآن مجید کی ایک نہایت معنی خیز آیت ہے، ہمارے نزدیک ایک پوری ملت کی موت و حیات کا سوال ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس واحدہ کا، پھر کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ ہم مسلمان جو بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ یہ ہمیں تھے جو سب سے پہلے انسانیت کے اس بلند وارفع تصور پر عمل پیرا ہوئے۔ ایک اور ایک نفس واحد کی طرح زندہ رہے۔

سو افسوس کہ ان سادہ لوحوں کو اس نظریہ قومیت کے لوازم اور عواقب کی پوری حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔ بعض مسلمان اس فریب میں مبتلا تھے کہ دین اور وطنی و لسانی قومیت ایک سیاسی تصور کے طور پر یکجا رہ سکتے ہیں میں نے لاکھ انتباہ کیا کہ اس راہ کا آخری مرحلہ اوّل تو لادینی ہو گی اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے بے پرواہی! مگر ان لوگوں نے میری آواز کو بھی محض ایک شاعر کی آواز سمجھا اور فرنگیوں کے بچھائے ہوئے اس دام ہم رنگ زمیں میں گرفتار ہوتے چلے گئے۔

من اے میرِ امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

بقیہ ص۲۷ پر

© rasailojaraid.com